ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3902

Program: BS Islamic Studies (Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: سیرت النبی ﷺ کا موضوعاتی مطالعہ: معاشرتی ومعاشی پہلو (3902) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1–4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: عہدِ نبوی ﷺ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بنیادی عناصر اور عصرِ حاضر کے لیے رہنمائی (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بنیادی عناصر کا جائزہ لیں اور واضح کریں کہ ان سے عصرِ حاضر کے معاشرے کی تعمیر و اصلاح کے لیے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے؟ (20)

تعارف

اسلام محض چند عقائد اور عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو فرد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک صالح معاشرے کی تشکیل کو بھی اپنا مقصد قرار دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں آپ کو ایک بکھرا ہوا، قبائلی عصبیتوں میں تقسیم اور باہمی جنگ و جدال سے تھکا ہوا معاشرہ ملا۔ اوس اور خزرج ایک سو بیس سال تک جنگِ بعاث جیسی لڑائیوں میں الجھے رہے تھے، یہودی قبائل اپنی الگ بستیوں اور قلعوں میں رہتے تھے اور منافقین کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔ چند ہی برسوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بکھرے ہوئے عناصر کو ایک ایسی امت میں تبدیل کر دیا جس کی بنیاد نسل، رنگ اور قبیلے کے بجائے عقیدہ، اخلاق اور باہمی ذمہ داری پر تھی۔ یہی وہ عظیم الشان معاشرتی تجربہ ہے جسے سیرتِ نبوی کا سب سے روشن باب قرار دیا جاتا ہے۔ پیشِ نظر جواب میں پہلے ان بنیادی عناصر کا جائزہ لیا جائے گا جن پر مدنی معاشرہ قائم ہوا، پھر یہ واضح کیا جائے گا کہ عصرِ حاضر کا منتشر اور بحران زدہ معاشرہ ان اصولوں سے کس طرح رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

پہلا عنصر: توحید اور عقیدے کی وحدت

اسلامی معاشرے کی پہلی اور مضبوط ترین بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ مدینہ کے معاشرے میں اللہ کی وحدانیت اور آخرت کی جواب دہی کا تصور ہر فرد کے دل میں راسخ کیا گیا، چنانچہ قانون کی پاسداری محض پولیس اور عدالت کے خوف سے نہیں بلکہ ضمیر کی بیداری سے ہوتی تھی۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کا ہر عمل اللہ کی نگاہ میں ہے اور اس کا حساب دینا ہے تو وہ تنہائی میں بھی بددیانتی سے باز رہتا ہے۔ اسی عقیدے نے مختلف قبائل، نسلوں اور طبقات کے لوگوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا، کیونکہ مسجد میں امیر و غریب، آقا و غلام ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ عقیدے کی یہ وحدت معاشرے کو ذہنی اور روحانی انتشار سے بچاتی ہے اور اسے ایک مشترکہ مقصدِ حیات عطا کرتی ہے، جس کے بغیر کوئی معاشرہ محض مفادات کے عارضی اتحاد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

دوسرا عنصر: مسجد کا مرکزی کردار

مدینہ پہنچتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا کام مسجدِ نبوی کی تعمیر کا کیا، اور یہی انتخاب معاشرتی تنظیم کی حکمت کو ظاہر کرتا ہے۔ مسجد صرف عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ وہ معاشرے کا مرکز تھی: وہیں نماز کے اجتماعات ہوئے، وہیں تعلیم و تربیت کا حلقہ لگتا، وہیں وفود سے ملاقات ہوتی، عدل و انصاف کے فیصلے ہوتے اور فلاحی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کی جاتی۔ اصحابِ صفہ کا چبوترہ ایک مستقل تعلیمی اور فلاحی ادارے کی حیثیت رکھتا تھا جہاں بے گھر اور نادار مسلمانوں کی کفالت اور تعلیم کا انتظام تھا۔ اس طرح مسجد نے معاشرے کے تمام طبقات کو روزانہ پانچ مرتبہ ایک جگہ جمع کر کے طبقاتی فاصلوں کو کم کرنے اور باہمی تعارف و ہمدردی بڑھانے کا عملی ذریعہ فراہم کیا۔

تیسرا عنصر: مواخات یعنی دینی بھائی چارہ

ہجرت کے بعد پیش آنے والا سب سے بڑا معاشرتی اور معاشی مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری تھا، جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کے انوکھے نظام کے ذریعے ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ انصار نے اپنے گھر، باغات اور کاروبار میں مہاجر بھائیوں کو شریک کیا، حتیٰ کہ بعض انصار نے اپنی آدھی جائیداد تک پیش کر دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی مواخات اس کی مشہور مثال ہے۔ اس نظام نے معاشرے میں یہ اصول قائم کیا کہ مسلمان کی شناخت قبیلے سے نہیں ایمان سے ہے، اور یہ کہ مال و وسائل میں دوسرے کا حصہ تسلیم کرنا ہی حقیقی اخوت ہے۔ مواخات نے مہاجرین کو بھیک مانگنے کے بجائے محنت اور تجارت کے ذریعے باعزت روزگار کی طرف راغب کیا اور یوں ایک ممکنہ معاشی بحران بھائی چارے کی برکت سے آبادکاری کی کامیاب مثال بن گیا۔

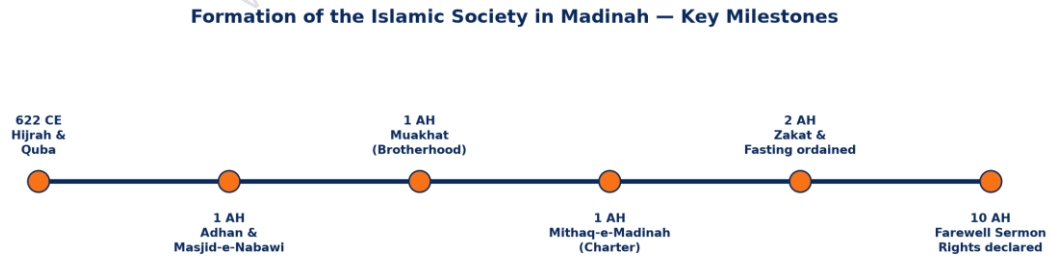
چوتھا عنصر: میثاقِ مدینہ اور آئینی تنظیم

مدینہ کے متنوع معاشرے کو منظم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاقِ مدینہ کی صورت میں ایک تحریری معاہدہ مرتب فرمایا جسے دنیا کے اولین تحریری آئینوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس معاہدے میں مسلمانوں، یہودی قبائل اور دیگر باشندوں کے حقوق و فرائض متعین کیے گئے، سب کو ایک امت اور ایک شہری برادری قرار دیا گیا، مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی، خون بہا اور فدیے کے معاملات منظم کیے گئے اور مدینہ کو حرم یعنی پُرامن علاقہ قرار دے کر اس کے دفاع کو سب کی مشترکہ ذمہ داری ٹھہرایا گیا۔

اس میثاق نے قبائلی انتقام کے نظام کو ختم کر کے قانون کی حکمرانی قائم کی اور یہ اصول دیا کہ معاہدے کی پاسداری اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

پانچواں اور چھٹا عنصر: عدل، مساوات اور معاشی کفالت

مدنی معاشرے کی تشکیل میں عدل و مساوات کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ قانون کے سامنے سب برابر ہیں اور کمزور و طاقتور کے لیے ایک ہی میزان ہے؛ مشہور واقعہ ہے کہ ایک معزز قبیلے کی خاتون کی چوری کے مقدمے میں سفارش کی کوشش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچھلی امتیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ وہ طاقتور کو چھوڑ دیتیں اور کمزور کو سزا دیتی تھیں، اور یہ اعلان فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس پر بھی حد جاری ہوتی۔ اسی طرح زکوٰۃ، صدقات، فطرانہ اور کفالتِ عامہ کے نظام نے معاشرے میں دولت کی گردش کو یقینی بنایا تاکہ کوئی فرد بھوکا نہ سوئے۔ بازار کی نگرانی، ناپ تول میں کمی کی ممانعت اور محتسب کے فرائض نے معاشی زندگی کو بھی اخلاقی ضابطوں کا پابند بنایا۔ ان عناصر کا مجموعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مدنی معاشرہ بیک وقت روحانی، اخلاقی، آئینی اور معاشی بنیادوں پر کھڑا تھا۔



شکل 1: مدینہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کے اہم مراحل

عصرِ حاضر کے لیے رہنمائی

عصرِ حاضر کا معاشرہ فرقہ واریت، لسانی و علاقائی عصبیت، طبقاتی تقسیم، خاندانی انتشار اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ سیرتِ نبوی کے ان عناصر سے پہلی رہنمائی یہ ملتی ہے کہ اصلاح کی بنیاد قانون سے پہلے کردار اور عقیدے کی درستی پر رکھنی چاہیے، کیونکہ جب تک فرد کے اندر آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا نہ ہو، محض قوانین کی کثرت

معاشرے کو نہیں سدھار سکتی۔ دوسری رہنمائی یہ ہے کہ عصبیت کی ہر صورت کو ختم کر کے شہریوں کو قومی و دینی وحدت کے مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، جیسے مواخات نے مہاجر و انصار کے فرق کو مٹا دیا تھا۔ تیسری رہنمائی آئینی ہے: تحریری آئین کی بالادستی، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ اور معاہدات کی پاسداری ہی پُرامن بقائے باہمی کی ضمانت ہے، جیسا کہ میثاقِ مدینہ نے ثابت کیا۔ چوتھی رہنمائی معاشی ہے: زکوٰۃ و صدقات کا منظم نظام، سود اور استحصال سے پاک معیشت اور ناداروں کی کفالت ریاست و معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری قرار پائے تو غربت اور محرومی کم ہو سکتی ہے۔ پانچویں رہنمائی یہ ہے کہ مسجد اور تعلیمی اداروں کو کردار سازی اور سماجی خدمت کا مرکز بنایا جائے تاکہ دین صرف رسومات تک محدود نہ رہے۔ واضح رہے کہ ان اصولوں کا اطلاق ہر دور کے حالات کے مطابق اہلِ علم کی رہنمائی اور اجتماعی اجتہاد سے ہو گا، اور کسی شرعی حکم کی قطعی تطبیق میں مستند علماء کی طرف رجوع ہی درست طریقہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عہدِ نبوی میں اسلامی معاشرے کی تشکیل کسی ایک اقدام سے نہیں بلکہ باہم مربوط عناصر کے مجموعے سے ہوئی۔ عقیدۂ توحید نے ذہنی وحدت دی، مسجد نے مرکز فراہم کیا، مواخات نے اخوت اور معاشی کفالت دی، میثاقِ مدینہ نے آئینی ڈھانچا مہیا کیا اور عدل و مساوات نے اس پورے نظام کو قابلِ اعتماد بنایا۔ یہی وہ جامع ماڈل ہے جو آج بھی ہمارے معاشرے کی تعمیر و اصلاح کے لیے سب سے بڑا سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اگر ہم اپنے تعلیمی، آئینی اور معاشی اداروں کو ان اصولوں کی روشنی میں از سرِ نو منظم کریں تو فرقہ واریت، ناانصافی اور محرومی جیسے مسائل بتدریج کم ہو سکتے ہیں اور معاشرہ امن، اخوت اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر 2: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اچھے شہری کے اوصاف و فرائض اور عصرِ حاضر میں ان کا اطلاق (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ایک اچھے شہری کے اوصاف اور فرائض بیان کریں اور واضح کریں کہ ان اصولوں کا عصرِ حاضر میں مؤثر اطلاق کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ (20)

تعارف

کسی بھی ریاست کی مضبوطی کا اصل راز اس کے شہریوں کے کردار میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ قوانین، ادارے اور حکومتیں اسی وقت ثمر آور ہوتی ہیں جب شہری اپنے فرائض کو ذمہ داری اور دیانت سے ادا کریں۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شہری کا جو تصور ملتا ہے وہ محض قانون کی پابندی تک محدود نہیں بلکہ ایمان، اخلاق، سماجی ذمہ داری اور وطن و برادری سے وفاداری کا جامع مجموعہ ہے۔ مدینہ کا ہر مسلمان ایک ہی وقت میں عابد بھی تھا، پڑوسی بھی، تاجر بھی، سپاہی بھی اور معاہدے کا پابند شہری بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور عملی زندگی سے وہ اوصاف واضح کیے جن کے بغیر کوئی فرد اپنے معاشرے کے لیے نفع بخش نہیں بن سکتا۔ زیرِ نظر جواب میں اچھے شہری کے اوصاف اور فرائض سیرت کی روشنی میں بیان کیے جائیں گے اور پھر عصرِ حاضر میں ان کے مؤثر اطلاق کی صورتیں پیش کی جائیں گی۔

اچھے شہری کے اوصاف

اچھے شہری کا پہلا وصف سچائی اور امانت داری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ہی صادق و امین کے لقب سے معروف تھے، اور مدینہ میں بھی آپ نے واضح فرمایا کہ جس میں امانت نہیں اس کا ایمان کامل نہیں۔ دوسرا وصف عدل پسندی ہے: شہری اپنے ذاتی معاملات، خاندان اور کاروبار میں انصاف کرے، گواہی میں حق نہ چھپائے اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ تیسرا وصف حسنِ اخلاق اور نرمی ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش اخلاقی کو ایمان کی تکمیل قرار دیا اور سختی و بدزبانی سے منع فرمایا۔ چوتھا وصف صبر، برداشت اور رواداری ہے، جس کا عملی نمونہ آپ نے طائف کے سخت دن اور فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کی صورت میں پیش کیا۔ پانچواں وصف علم و آگاہی ہے، کیونکہ جاہل شہری آسانی سے فتنے اور پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتا ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصولِ علم کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔ چھٹا وصف محنت اور حلال روزی کی طلب ہے، آپ نے مانگنے کے بجائے خود کما کر کھانے کو پسند فرمایا اور محنت کش کو اللہ کا محبوب قرار دیا۔

اچھے شہری کے فرائض

اوصاف کے ساتھ ساتھ سیرت میں شہری کے فرائض بھی واضح کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا فرض قانون اور معاہدے کی پابندی ہے: میثاقِ مدینہ کے بعد ہر شہری اس معاہدے کا پابند تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ توڑنے کو منافقت کی علامت قرار دیا۔ دوسرا فرض پڑوسی اور اہلِ محلہ کے حقوق کی ادائیگی ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک پر اتنا زور دیا کہ فرمایا جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ تیسرا فرض سماج کی خدمت اور کمزوروں کی مدد ہے: یتیم کی کفالت، بیوہ و مسکین کی خبر گیری اور مریض کی عیادت کو آپ نے بڑے اجر کا کام قرار دیا۔ چوتھا فرض وطن و شہر کے دفاع اور امن میں تعاون ہے: مدینہ کے ہر شہری پر شہر کا دفاع مشترکہ ذمہ داری تھا اور خندق کی کھدائی میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہریوں کے ساتھ شریک ہو کر عملی مثال قائم کی۔ پانچواں فرض ماحول اور عوامی املاک کا تحفظ ہے: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ قرار پایا اور پبلک واچ اگاہ جیسی مشترکہ چیزوں میں سب کا حق تسلیم کیا گیا۔ چھٹا فرض بیت المال اور اجتماعی وسائل میں خیانت سے اجتناب اور ٹیکس و زکوٰۃ کی بروقت ادائیگی ہے، تاکہ ریاستی نظام چلتا رہے۔

جدول 1: اچھے شہری کے اوصاف و فرائض کا خلاصہ

پہلو	سیرت سے رہنمائی	عملی صورت
سچائی و امانت	صادق و امین کا اسوہ	معاملات میں دیانت، جھوٹ سے اجتناب
قانون کی پابندی	معاہدے کی پاسداری کا حکم	آئین و قانون کا احترام، معاہدہ شکنی سے پرہیز
پڑوسی کے حقوق	پڑوسی سے حسنِ سلوک کی تاکید	محلے کی خبر گیری، تکلیف نہ پہنچانا
سماجی خدمت	یتیم و مسکین کی کفالت	فلاحی کاموں میں حصہ، زکوٰۃ و صدقہ
دفاع و امن	مدینہ کے دفاع کی مشترکہ ذمہ داری	امن و امان میں اداروں سے تعاون

صفائی، ماحول اور سرکاری املاک کی حفاظت	راستے سے اذیت دور کرنا صدقہ	عوامی املاک کا تحفظ

عصرِ حاضر میں مؤثر اطلاق کی صورتیں

ان اصولوں کے اطلاق کی پہلی صورت تعلیم و تربیت ہے: نصاب میں سیرت کی تعلیم، سیرت کے اخلاقی پہلو اور حقوق و فرائض کا توازن شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل محض حقوق مانگنے والی نہیں، فرائض ادا کرنے والی بنے۔ دوسری صورت خاندان اور مسجد کے کردار کی بحالی ہے: والدین اور ائمہ بچوں کو سچائی، صفائی، ٹریفک کے اصولوں اور پڑوسی کے حقوق کی عملی تربیت دیں۔ تیسری صورت قانون کی بالادستی ہے: جب شہری یہ دیکھے گا کہ قانون سب کے لیے برابر ہے تو وہ خود بخود اس کا احترام کرے گا، اس لیے اداروں کو بھی عدل اور شفافیت اپنانی ہوگی۔ چوتھی صورت مقامی سطح کی شرکت ہے: محلہ کمیٹیوں، فلاحی تنظیموں اور بلدیاتی نمائندگی کے ذریعے شہری اپنے علاقے کے مسائل کے حل میں حصہ لے، صفائی، پانی اور روشنی جیسے معاملات میں انتظامیہ سے تعاون کرے۔ پانچویں صورت ڈیجیٹل شہریت ہے: سوشل میڈیا پر جھوٹی خبر پھیلانے سے اجتناب، دوسروں کی عزت کا تحفظ اور قومی املاک کے خلاف پروپیگنڈے کا حصہ نہ بننا آج کے شہری کی نئی ذمہ داریاں ہیں۔ چھٹی صورت معاشی دیانت ہے: ٹیکس کی ادائیگی، ملاوٹ و ذخیرہ اندوزی سے پرہیز اور کاروباری معاہدوں کی پابندی سے قومی معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ شہری کے حقوق و فرائض کی حدود و تعبیر میں جہاں فقہی یا آئینی ابہام ہو وہاں اہلِ علم اور متعلقہ ماہرین کی رہنمائی حاصل کرنا ہی درست رویہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سیرتِ نبوی کی روشنی میں اچھا شہری وہ ہے جو سچا اور امین ہو، قانون اور معاہدے کا پابند ہو، پڑوسی اور کمزور کا حق ادا کرے، وطن کے امن و دفاع میں حصہ لے اور عوامی املاک کو اپنی امانت سمجھے۔ یہ اوصاف محض کتابی باتیں نہیں بلکہ مدینہ کے معاشرے میں عملاً نافذ ہو کر کامیاب ثابت ہوئے۔ عصرِ حاضر میں ان کا اطلاق تعلیم، تربیت، قانون کی بالادستی، مقامی شرکت اور ڈیجیٹل ذمہ داری کے ذریعے ممکن ہے۔ اگر ہم اپنے نوجوانوں کو حقوق کے ساتھ فرائض کا شعور بھی دیں تو ہمارے شہر اور معاشرہ امن، صفائی، دیانت اور ترقی کا گہوارہ بن سکتے ہیں۔

سوال نمبر 3: اسلامی ریاست میں شہریوں کے بنیادی حقوق اور عصرِ حاضر میں ان کا اطلاق (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ اسلامی ریاست میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی وضاحت کریں اور تجزیہ کریں کہ ان اصولوں کا عصرِ حاضر میں منصفانہ اور پُرامن معاشرے کے قیام میں کس طرح اطلاق کیا جا سکتا ہے؟ (20)

تعارف

حقوق کا تصور اسلام میں کسی بادشاہ یا حکومت کی عطا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو [illegible] انسانی حرمت کی بنیاد پر ملا ہوا حق ہے۔ قرآن کریم نے بنی آدم کی تکریم کو اصول قرار دیا اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کو مدینہ کی ریاست میں عملی نظام کی صورت دی۔ میثاقِ مدینہ سے لے کر خطبۂ حجۃ الوداع تک، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان، مال، عزت، مذہب اور عدل کے حقوق کو اس وضاحت سے بیان فرمایا کہ بعد کی انسانی حقوق کی دستاویزات کی مقررہ حدیں نظر آتی ہیں۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ نے انسانوں کے خون، مال اور آبرو کو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام قرار دیا جس طرح حج کے دن اور مہینے کی حرمت ہے، اور یہ اعلان انسانی حقوق کا جامع منشور سمجھا جاتا ہے۔ زیرِ نظر جواب میں اسلامی ریاست میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی وضاحت کی جائے گی اور پھر یہ تجزیہ پیش کیا جائے گا کہ ان اصولوں سے آج کا معاشرہ کس طرح منصفانہ اور پُرامن بن سکتا ہے۔

حقِ حیات اور جان کا تحفظ

اسلامی ریاست میں سب سے پہلا اور بنیادی حق زندگی کا حق ہے۔ قرآن کریم نے ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا (سورۃ المائدہ، آیت 32 کا مفہوم) اور قصاص و حدود کا نظام اسی حق کے تحفظ کے لیے رکھا گیا، البتہ کسی بھی سزا کا نفاذ قانونی طریقہ کار اور عدالت کے ذریعے ہی ہو گا، اس کا فیصلہ افراد یا ہجوم کو ہرگز نہیں دیا گیا۔ سیرت میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم شہری یعنی ذمی کے قتل کو بھی شدید جرم قرار دیا اور فرمایا کہ جس نے کسی معاہد (غیر مسلم

شہری) کو ناحق قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ ریاست ہر شہری کی جان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے خواہ اس کا مذہب، نسل یا طبقہ کچھ بھی ہو، اور قانون کو ہاتھ میں لینا خود ایک سنگین جرم ہے۔

مال، عزت اور نجی زندگی کے حقوق

دوسرا اہم حق مال کا تحفظ ہے: کسی کا مال ناجائز طریقے سے کھانا، چوری، ڈکیتی، دھوکہ دہی اور سود خوری حرام قرار دی گئی، اور ریاست پر فرض ہے کہ وہ شہریوں کی جائز ملکیت کی حفاظت کرے۔ تیسرا حق عزت و آبرو کا تحفظ ہے: غیبت، بہتان، تجسس اور کسی کی نجی زندگی میں مداخلت سے منع کیا گیا، اور قرآن نے ایک دوسرے کا مذاق اڑانے اور برے القاب سے پکارنے کو بھی اسی دائرے میں شامل کیا ہے (سورۃ الحجرات، آیت 11 کا مفہوم)۔ چوتھا حق نجی زندگی اور گھر کی حرمت ہے: کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا ممنوع قرار پایا اور خطوط و راز کی امانت کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ ان حقوق سے معاشرے میں باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے اور فرد بے خوف ہو کر زندگی گزارتا ہے۔

مذہبی آزادی، عدل اور مساوات کے حقوق

پانچواں حق مذہبی آزادی ہے: قرآن کا اصول ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں (سورۃ البقرہ، آیت 256 کا مفہوم)، اور میثاقِ مدینہ میں یہودی قبائل کو اپنے دین پر عمل کی آزادی تحریری طور پر دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجدِ نبوی میں اپنی عبادت کی اجازت دی، جو مذہبی رواداری کی روشن مثال ہے۔ چھٹا حق عدل تک رسائی ہے: ہر شہری کو حق حاصل ہے کہ اس کا مقدمہ غیر جانبدار عدالت میں سنا جائے، قاضی کے سامنے حاکم و محکوم برابر ہوں اور فیصلہ دلیل کی بنیاد پر ہو۔ ساتواں حق مساوات ہے: خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔ آٹھواں حق تعلیم اور روزی کا ہے: علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا حق اور فرض قرار پایا، اور ریاست و معاشرے پر ناداروں کی کفالت زکوٰۃ کے نظام کے ذریعے لازم کی گئی تاکہ کوئی شہری بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے۔ نواں حق مشورے اور اظہارِ رائے کا ہے: شوریٰ کا نظام اسی اصول پر قائم تھا کہ شہری اجتماعی معاملات میں رائے دے سکیں، البتہ یہ رائے قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہ کر دی جائے گی۔

جدول 1: بنیادی حقوق اور ان کی سیرتی بنیادیں

ریاست کی ذمہ داری	بنیاد	حق
قانون نافذ کرنا، جان کی حفاظت	ناحق قتل کی حرمت، خطبۂ حجۃ الوداع	جان کا تحفظ
ملکیت کی حفاظت، معاشی عدل	چوری، دھوکے اور باطل طریقے سے مال کھانے کی ممانعت	مال کا تحفظ
ہتکِ عزت پر قانونی چارہ جوئی	غیبت، بہتان اور تجسس کی ممانعت	عزت و آبرو
اقلیتوں کی عبادت گاہوں کا تحفظ	دین میں جبر نہیں؛ میثاقِ مدینہ	مذہبی آزادی
آزاد و غیر جانبدار عدلیہ	قاضی کے سامنے سب برابر	عدل تک رسائی
امتیازی سلوک کا خاتمہ	نسل و رنگ کی فضیلت کی نفی	مساوات
ناداروں کی بنیادی ضروریات کی ضمانت	زکوٰۃ و صدقات کا نظام	کفالت

عصرِ حاضر میں اطلاق کا تجزیہ

ان اصولوں کے اطلاق کی پہلی شرط آزاد اور تیز رفتار عدلیہ ہے: جب مقدمات برسوں لٹکتے ہیں تو شہری مایوس ہو کر قانون ہاتھ میں لینے لگتا ہے، لہٰذا انصاف کی فراہمی میں تاخیر کا خاتمہ، ججوں کی تربیت اور غریب کے لیے قانونی امداد ان حقوق کی عملی ضمانت ہے۔ دوسری صورت اقلیتوں کے عملی تحفظ میں ہے: میثاقِ مدینہ کا اصول یہ ہے کہ اقلیتی شہری کی جان، مال اور عبادت گاہ ریاست کی امانت ہے، اس لیے ان پر حملے یا ان کی توہین پر سخت اور فوری قانونی کارروائی ہی پُرامن بقائے باہمی قائم رکھ سکتی ہے، اور ایسے معاملات میں سزا و جزا کا اختیار صرف عدالتوں کو ہے۔ تیسری صورت سماجی تحفظ کے نظام کی ہے: زکوٰۃ، اوقاف اور بیت المال کے جدید و شفاف انتظام سے بے روزگاری

الاؤنس، وظائف اور علاج کی سہولت دی جا سکتی ہے۔ چوتھی صورت اظہارِ رائے کا متوازن استعمال ہے: میڈیا اور سوشل میڈیا کو آزادی کے ساتھ ساتھ ہتکِ عزت اور جھوٹی خبر کے قوانین کا پابند بنانا ہو گا۔ پانچویں صورت پولیس اور انتظامیہ کی اصلاح ہے: شہری کی عزتِ نفس کا احترام، شفاف احتساب اور انسانی حقوق کی تربیت کے بغیر یہ حقوق کاغذی رہ جاتے ہیں۔ تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حقوق کا نظام حقوق کے ساتھ فرائض اور اخلاق کو بھی جوڑتا ہے، اسی توازن سے منصفانہ اور پُرامن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جہاں کسی حق کی حدود میں فقہی اختلاف ہو وہاں فیصلہ مستند علماء اور عدالتوں کا کام ہے، نہ کہ عام افراد کا۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں شہری کے بنیادی حقوق جان، مال، عزت، مذہب، عدل، مساوات، تعلیم اور کفالت پر مشتمل ایک جامع نظام ہیں جن کی جڑیں قرآن و سیرت میں موجود ہیں اور جن کا عملی نفاذ مدینہ کی ریاست میں کر کے دکھایا گیا۔ عصرِ حاضر میں ان کا اطلاق آزاد عدلیہ، اقلیتوں کے تحفظ، سماجی کفالت کے شفاف نظام اور قانون کی مساوی عمل داری سے ممکن ہے۔ جب شہری کو یقین ہو کہ اس کے حقوق محفوظ ہیں اور ریاست اس کے ساتھ انصاف کرتی ہے تو وہ دامن کا محافظ بن جاتا ہے؛ اسی اعتماد پر منصفانہ اور پُرامن معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4: نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی کا خلاصہ اور آج کے خاندان کی اصلاح کی تجاویز (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ یونٹ نمبر چار میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی کا مطالعہ کیا ہے، اس کا خلاصہ سپردِ قلم کریں نیز اس کی روشنی میں موجودہ زمانے میں ہماری عائلی زندگی میں اصلاح کی تجاویز تحریر کریں۔ (20)

تعارف

خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے، اور جس معاشرے کے گھر پُرسکون ہوں اس کی گلیاں اور بازار خود بخود پُرامن ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا عائلی پہلو اس قدر روشن اور مکمل ہے کہ اسے ہر دور کے خاندان کے لیے نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو، اور آپ خود اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر تھے۔ آپ کی عائلی زندگی میں محبت، مشاورت، قربانی، عبادت، سادگی اور خدمت کے وہ مناظر ملتے ہیں جو محض نصیحت نہیں بلکہ عمل کی صورت میں سامنے آئے۔ زیرِ نظر جواب میں پہلے یونٹ نمبر چار کے مطابق آپ کی عائلی زندگی کا خلاصہ پیش کیا جائے گا، پھر اس کی روشنی میں آج کے خاندانی مسائل کے حل کی تجاویز دی جائیں گی۔

نکاح اور ازواجِ مطہرات سے تعلق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پچیس برس کی عمر میں ہوا، اور یہ شادی محبت، اعتماد اور باہمی احترام کی عظیم مثال ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وحی کے نزول کے مشکل وقت میں آپ کو تسلی دی، اپنی دولت دین کے لیے قربان کی اور ہر آزمائش میں ساتھ کھڑی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ ان کا ذکر محبت سے کیا اور ان کی سہیلیوں سے حسنِ سلوک جاری رکھا، یہاں تک کہ ان کے عام کو عام الحزن یعنی غم کا سال قرار دیا گیا۔ بعد کے نکاح زیادہ تر دینی، سماجی اور سیاسی مصالح کی بنیاد پر ہوئے: بیواؤں اور یتیموں کی کفالت، قبائل سے تعلق کا استحکام اور امت کی خواتین کی تعلیم مقصود تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے خواتین کے مسائل اور گھریلو زندگی کے احکام امت تک پہنچے۔ ازواجِ مطہرات کے درمیان آپ کا عدل، ہر ایک کے حقوق کی پوری ادائیگی اور باری کی پابندی، عائلی انصاف کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

گھر کے اندر کا ماحول: محبت، مشورہ اور خدمت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر محبت اور سکینت کا گہوارہ تھا۔ آپ گھر والوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے، کبھی کسی کھانے کو عیب نہ لگاتے، پسند آتا تو کھا لیتے ورنہ خاموشی سے چھوڑ دیتے۔ آپ گھر کے کاموں میں حصہ لیتے: اپنے جوتے خود سی لیتے، کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے اور اہل خانہ کی خدمت میں رہتے۔ میاں بیوی کے تعلق میں خوش طبعی بھی تھی؛ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ اس کی معروف مثال ہے۔ اہم معاملات میں آپ ازواج سے مشورہ بھی فرماتے: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورے پر عمل کر کے صحابہ کی پریشانی دور ہوئی، جو گھریلو مشاورت کی اہمیت کی بڑی دلیل ہے۔ گھر میں عبادت کا ماحول بھی قائم تھا: رات کو تہجد کے لیے آپ خود بھی جاگتے اور اہل کو بھی جگاتے، رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا اہتمام بڑھ جاتا۔ غصے اور سختی کے بجائے تحمل اور درگزر آپ کا شیوہ تھا، اور کسی گھریلو خادم کو بھی آپ نے کبھی نہ ڈانٹا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس برس خدمت کی مگر آپ نے کبھی اف تک نہ کہا۔

اولاد اور رشتہ داروں سے سلوک

اولاد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک شفقت سے بھرپور تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ تھام کر اپنی جگہ بٹھاتے۔ نواسوں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے آپ کو بے پناہ محبت تھی، انہیں کندھوں پر اٹھاتے اور سجدے کی حالت میں بھی ان کی رعایت فرماتے۔ بیٹیوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی اچھی پرورش کو آپ نے جنت کا ذریعہ قرار دیا، جو اس دور میں بچیوں کو زندہ دفن کرنے والے معاشرے میں انقلابی تعلیم تھی۔ صلہ رحمی پر آپ نے بہت زور دیا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ داروں تک سے حسنِ سلوک جاری رکھا اور خالہ و پھوپھی سمیت تمام قرابت داروں کے حقوق سکھائے۔ رضاعی رشتوں کا بھی آپ نے پورا احترام کیا۔ اس کے ساتھ گھر کی معاشی زندگی سادگی پر قائم تھی: مہینوں چولہا نہ جلتا، کھجور و پانی پر گزارا ہوتا، مگر شکوے کے بجائے شکر اور قناعت کا درس ملتا تھا، اور جو کچھ میسر آتا اس میں سے صدقہ ضرور کیا جاتا۔

موجودہ خاندانی مسائل اور اصلاح کی تجاویز

آج کا خاندان طلاق کی بڑھتی شرح، میاں بیوی کے تنازعات، والدین کی نافرمانی، بچوں کی اسکرین کی لت، مشترکہ و اکیلے خاندان کے کشمکش اور مادہ پرستی جیسے مسائل سے دوچار ہے۔ سیرت کی روشنی میں پہلی تجویز یہ ہے کہ نکاح کو محض رسم نہیں، محبت و رحمت کا پیمان سمجھا جائے اور شریکِ حیات کے انتخاب میں دین داری و اخلاق کو ترجیح دی جائے۔ دوسری تجویز باہمی مشاورت اور گفت و شنید کی عادت ہے: مالی معاملات، بچوں کی تعلیم اور بڑے فیصلے بیوی اور بالغ اولاد کے مشورے سے ہوں، جیسا کہ اسوۂ نبوی سے ثابت ہے۔ تیسری تجویز گھر کے کاموں میں شمولیت اور خدمت کا کلچر ہے: مرد کا گھر کے کام میں ہاتھ بٹانا سنت ہے، اس سے بیوی پر بوجھ کم ہوتا اور بچوں کو خدمت کا سبق ملتا ہے۔ چوتھی تجویز وقت کی فراہمی ہے: موبائل اور اسکرین سے کچھ وقت نکال کر اہل خانہ کے ساتھ کھانا، گفتگو اور ہفتہ وار سیر و تفریح کا معمول بنایا جائے۔ پانچویں تجویز غصے پر قابو اور درگزر ہے: اختلاف پر آواز بلند کرنے کے بجائے تحمل، معافی اور تیسرے فریق یعنی خاندان کے بزرگوں یا ثالث کی مدد لی جائے۔ چھٹی تجویز معاشی سادگی ہے: نمود و نمائش اور قرض لے کر شادی بیاہ کی رسموں سے بچا جائے، کفایت شعاری اور حلال آمدن پر قناعت اپنائی جائے۔ ساتویں تجویز دینی اقدار کی بحالی ہے: گھر میں باجماعت نماز کی کوشش، قرآن کی تلاوت اور سیرت کی محفل بچوں کی کردار سازی کا ذریعہ بنتی ہے۔ آٹھویں تجویز والدین اور بزرگوں کی خدمت ہے: بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال کو بوجھ نہیں سعادت سمجھا جائے۔ واضح رہے کہ خاندانی تنازعات میں جہاں شرعی حکم درکار ہو وہاں اہلِ علم سے رجوع کرنا چاہیے اور قانونی معاملات میں عدالت ہی مجاز فورم ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی محبت، عدل، مشاورت، خدمت، سادگی اور عبادت کا حسین امتزاج ہے۔ آپ بہترین شوہر، شفیق باپ اور صلہ رحمی کرنے والے رشتہ دار تھے۔ آج کے خاندان کی اصلاح کا راستہ اسی اسوے سے گزرتا ہے: اگر میاں بیوی باہمی احترام و مشورہ اپنائیں، والدین اولاد کو وقت اور تربیت دیں، اور گھر میں سادگی و عبادت کا ماحول بنے تو خاندانی انتشار کم ہو کر گھر امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے، اور مضبوط گھروں سے ہی مضبوط معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

سوال نمبر 5: ہجرت سے قبل یثرب کے حالات اور آبادی پر مفصل مضمون (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ ہجرت سے قبل یثرب کے حالات اور آبادی پر مفصل مضمون قلمبند کریں۔ (20)

تعارف

یثرب وہی شہر ہے جو ہجرت کے بعد مدینۃ النبی اور پھر مدینہ منورہ کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہوا۔ ہجرت سے قبل اس شہر کے حالات کو سمجھے بغیر نہ خود ہجرت کی حکمت سمجھ آتی ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو یہاں کی زمین کیوں موزوں ملی۔ یثرب مکہ سے شمال کی جانب تقریباً ساڑھے چار سو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ایک زرخیز نخلستانی بستی تھی، جہاں کھجور کے باغات، کنویں اور زراعت اس کی پہچان تھی۔ یہ کوئی ایک متحد شہر نہیں تھا بلکہ مختلف قبائل کی الگ الگ بستیوں اور قلعوں کا مجموعہ تھا، جن کے درمیان نسل در نسل دشمنیاں چلی آ رہی تھیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ہجرت سے قبل یثرب کی آبادی، سماجی و سیاسی حالات، مذہبی صورتحال اور معاشی زندگی کا مفصل جائزہ پیش کیا جائے گا تاکہ یہ بھی واضح ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لیے یہ سرزمین کیسے تیار ہوئی۔

جغرافیائی محلِ وقوع اور قدرتی ماحول

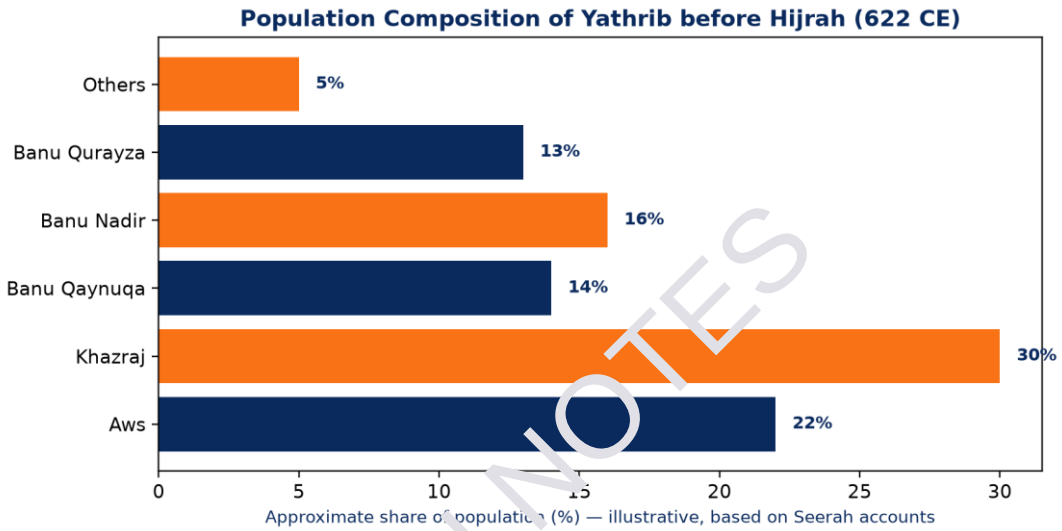
یثرب سطحِ مرتفع پر پھیلی ہوئی ایک وادی نما بستی تھی جس کے مشرق و مغرب میں حرا نامی سیاہ آتش فشاں پہاڑی سلاسل ہیں اور جنوب کی جانب وادی عقیق اور زرخیز زمینیں واقع تھیں۔ آب و ہوا مکہ کے مقابلے میں نسبتاً معتدل مگر بخار یعنی وبائی امراض کے لیے بدنام تھی، چنانچہ ابتدائی مہاجرین کو یہاں کے موسم نے بیمار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی محبت اور اس کی وبا کے خاتمے کی دعا فرمائی۔ کھجور یہاں کی سب سے اہم فصل تھی، اس کے علاوہ جو اور گیہوں کی کاشت بھی ہوتی، کنوؤں اور زیرِ زمین پانی سے سیرابی ہوتی تھی۔ مکہ کے برعکس یہاں کے لوگ بنیادی طور پر کاشت کار تھے، اس لیے ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور نرمی نسبتاً زیادہ تھی۔ شام اور یمن کے تجارتی راستے پر ہونے کی وجہ سے یہاں کے یہودی قبائل تجارت، زراعت اور دست کاری میں خاص مقام رکھتے تھے۔

آبادی کی ترکیب: عرب قبائل

یثرب کی عرب آبادی دو بڑے قبیلوں پر مشتمل تھی: اوس اور خزرج۔ سیرت و تاریخ کی روایات کے مطابق یہ دونوں قبیلے اصلاً یمن کے رہنے والے تھے، سدِ مآرب کے ٹوٹنے کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئے، اسی لیے انہیں بنو قحطان سے منسوب کیا جاتا ہے اور جنوبی عرب سے تعلق رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ انصار کا لقب بعد میں انہی دونوں قبیلوں کو ملا۔ اوس کی اہم شاخوں میں بنو عبد الاشہل، بنو ظفر اور بنو حارثہ شامل تھے، جبکہ خزرج کی بڑی شاخوں میں بنو نجار، بنو سلمہ، بنو ساعدۃ اور بنو عوف معروف ہیں۔ بنو نجار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیالی رشتہ بھی تھا، کیونکہ آپ کے پردادا ہاشم کی والدہ سلمیٰ اسی قبیلے سے تھیں، اور حضرت عبد المطلب کی والدہ بھی بنو نجار سے تھیں؛ یہی وہ قبیلہ تھا جس کے محلے میں قبا کے بعد آپ نے قیام فرمایا۔ ہر قبیلے کی اپنی بستیاں، کنویں اور باغات تھے اور سرداروں کی سربراہی میں قبائلی نظام قائم تھا، مگر کوئی مرکزی حکومت یا بادشاہ یہاں موجود نہیں تھا۔

آبادی کی ترکیب: یہودی قبائل

یثرب کی آبادی کا دوسرا بڑا حصہ تین یہودی قبائل پر مشتمل تھا: بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان کی ہجرت و آبادکاری کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں؛ بعض کے مطابق یہ رومی مظالم سے بھاگ کر آئے اور بعض روایات انہیں قدیم دور سے یہاں آباد بتاتی ہیں، کیونکہ یہ اہلِ کتاب اپنی کتابوں میں آخری نبی کی آمد کی بشارتوں کی وجہ سے بھی اس خطے کو اہم سمجھتے تھے۔ بنو قینقاع شہر کے اندر رہتے تھے اور سونا چاندی کا کام اور لوہاری یعنی سنار و آہن گری ان کا خاص پیشہ تھا، ان کے اپنے بازار قائم تھے۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ شہر کے اطراف کی زرخیز زمینوں میں قلعہ بند بستیوں میں رہتے تھے، کھجور کے باغات اور زراعت ان کی معیشت کی بنیاد تھی اور وہ سودی قرضوں کے ذریعے عرب قبائل پر معاشی دباؤ بھی رکھتے تھے۔ یہ قبائل علم و کتاب رکھنے کی وجہ سے خود کو عربوں سے برتر سمجھتے اور توحید و آخرت کے تصورات سے واقف تھے، مگر آپس میں بھی ان کے اختلافات موجود تھے اور سیاسی طور پر وہ کبھی اوس کے حلیف بنتے اور کبھی خزرج کے۔ ان کے علاوہ کچھ چھوٹے یہودی خاندان اور عرب بدو بھی مضافات میں آباد تھے۔



شکل1: ہجرت سے قبل یثرب کی آبادی کی تقریبی ترکیب (سیرت کے بیانات کی روشنی میں توضیحی)

سیاسی و سماجی حالات: جنگ و جدال کا دور

یثرب کی سیاسی حالت انتشار کا شکار تھی۔ اوس و خزرج کے درمیان طویل خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری تھا جن میں آخری بڑی جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے تقریباً پانچ چھ برس قبل لڑی گئی اور جس میں دونوں طرف کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس جنگ میں اوس کے ساتھ بنو نضیر و بنو قریظہ اور خزرج کے ساتھ بنو قینقاع شریک رہے۔ مسلسل جنگوں نے دونوں قبیلوں کو تھکا دیا تھا اور اہلِ یثرب ایک ایسے غیر جانبدار اور معتبر قائد کی تلاش میں تھے جو سب کو متحد کر سکے۔ اسی پس منظر میں خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی کو بادشاہ بنانے کی تیاریاں بھی شروع ہو گئی تھیں، اس کے لیے تاج تک بنوایا جا رہا تھا، مگر اسلام کی آمد نے اس منصوبے کو بدل دیا اور یہی شخص بعد میں منافقین کا سربراہ بنا۔

سماجی طور پر جاہلیت کی تمام برائیاں یہاں بھی موجود تھیں: شراب نوشی، جوا، سود خوری، قبائلی فخر و تعصب اور کمزوروں کا استحصال۔ البتہ مکہ کے مقابلے میں یہاں مذہبی فضا قدرے مختلف تھی، کیونکہ اہلِ کتاب کی موجودگی سے لوگ وحدانیت، نبوت اور آخرت کے تصورات سے مانوس بھی تھے۔

اسلام کی آمد اور بیعتِ عقبہ

انہی حالات میں حج کے موسم پر یثرب کے چھ افراد نے مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے اسلام قبول کیا اور اگلے برس بارہ افراد نے بیعتِ عقبہ اولیٰ کی، پھر اس سے اگلے سال پچھتر افراد نے بیعتِ عقبہ ثانیہ کی جس میں آپ کی حفاظت کا عہد بھی شامل تھا۔ آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیجا جن کی دعوت سے اسلام یثرب کے گھر گھر میں پھیلا، حتیٰ کہ بنو عبد الاشہل جیسے بڑے قبائل کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے سے صورت حال بدل گئی۔ یوں ہجرت سے قبل ہی یثرب میں ایک پرامن دعوتی فضا، مضبوط استقبال اور موزوں سماجی ماحول تیار ہو چکا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم ہجرتِ مدینہ کو محض پناہ نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر معاشرتی انقلاب کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت سے قبل یثرب مختلف قبائل کی بستیوں کا ایک غیر متحد خطہ تھا جس کی آبادی اوس و خزرج کے عرب قبائل اور بنو قینقاع، بنو نضیر و بنو قریظہ کے یہودی قبائل پر مشتمل تھی۔ زراعت و کھجور اس کی معیشت، خانہ جنگیاں اس کی سیاست اور اہلِ کتاب کی موجودگی اس کی مذہبی فضا کی پہچان تھی۔ جنگوں سے تھکے ہوئے لوگ اتحاد و امن کے متلاشی تھے اور یہی حالات اس سرزمین کو اسلام کے پہلے معاشرے کی تشکیل کے لیے موزوں ترین بنا رہے تھے۔ ہجرت کے بعد یہی یثرب مدینۃ النبی بن کر دنیا کے لیے امن و اخوت کا نمونہ بن گیا۔